Dr Imran Sajid[1]

Dr Rashir Muneer[2]

رسم عثمانی توقیفی ہے یا قیاسی

ایک تحقیقی جائزہ

Uthmanic Script Divinely Ordained or Based on Human Reasoning: A Research Analysis

This article explores the scholarly debate on whether the Uthmanic script of the Quran is divinely prescribed (tawqifi) or based on human reasoning (qiyasi). Through robust evidence, the study establishes that the Uthmanic script is tawqifi, meaning it was determined under divine guidance rather than left to human interpretation. The Prophet Muhammad ﷺ supervised the Quran's transcription, ensuring it adhered strictly to divine directives. This divine oversight eliminated any possibility of errors in the Quran's written form. The article also highlights several instances where the Quranic script diverges from conventional linguistic norms, underscoring its unique divine nature. Such deviations, preserved meticulously by the Muslim ummah, reflect the sacredness and authenticity of the Uthmanic script. The research emphasizes that the Quran's script was not subject to human discretion or reasoning, which guarantees its accuracy and uniformity across generations. By analyzing various examples and scholarly arguments, the article reinforces the conclusion that the Uthmanic script is a divinely ordained system. It remains a testament to the Quran's miraculous preservation and the unparalleled care taken in its transmission.

Keywrods: Uthmanic Script, Divinely Ordained, Human Reasoning, Preservation of the Quran

قرآن کریم نبی کریم ﷺ پر باقاعدہ ایک تحریر شدہ کتاب کی شکل میں نازل نہیں ہوا، جس طرح سابقہ آسمانی کتب بالخصوص تورات وغیرہ کا نزول ہوا۔ قرآن کریم میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ تورات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تختیوں کی صورت میں نازل فرمایا۔ لیکن قرآن کریم کے نزول کی کیفیت یہ نہیں تھی۔ قرآن کریم میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا۔ جیسا کہ سورۃ بقرۃ میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾[البقرۃ:98]

"اِن سے کہو کہ جو کوئی جبریل سے عداوت رکھتا ہو، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل نے اللہ کے اِذن سے یہ قرآن تمہارے قلب پر نازل کیا ہے۔"

اسی طرح سورۃ الشعراء میں بھی ہے:

---

(1) Assistant Prof. Department of Natural sciences and Humanities, UET Lahore (Ksk Campus).

(2) Assistant Prof. Department of Natural sciences and Humanities, UET Lahore (Ksk Campus).

﴿وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَo نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُo عَلَىٰ قَلْبِكَ﴾[البقرة: 192-193]

" یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے۔"

قرآن کریم سابقہ آسمانی کتب کی طرح تحریر شدہ کتابوں کی صورت میں نازل نہیں ہوا بلکہ نبی ﷺ کے قلبِ اطہر پر اس کا بابرکت نزول ہوا۔ دوسرا یہ کہ قرآن کریم ایک لمبی مدت میں نبوی دور کے تقریباً تیئس برس کے عرصے میں نازل ہوا۔

قرآن کریم کو 'الکتاب' کیوں کہا گیا؟

قرآن پاک کو بہت سے صفاتی ناموں سے پکارا گیا ہے مثلاً: الکتاب، الفرقان، الذکر، تنزیل، قرآن حکیم وغیرہ۔ قرآن کریم کے لیے سب سے زیادہ جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ 'الکتاب' کا لفظ ہے۔ سورہ بقرۃ کے شروع میں ہی فرمایا گیا ہے: ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾[البقرة: 2] 'کتاب' کا لفظ سنتے ہی ہمارے ذہن میں ایک لکھی ہوئی چیز کا تصوّر آتا ہے۔ عربی زبان میں لفظ 'کتب' کے معنی 'لکھنے' کے ہیں۔ لیکن لغوی اعتبار سے ك، ت، ب کے معنی 'لکھنے' کے بھی ہیں، اور اس کے معنی "الجمع والضم" "جمع کرنا اور اکٹھا کرنا" کے بھی ہیں۔[1] اس کے علاوہ ك، ت، ب کا مطلب "کسی چیز کا مقرر کر دینا" یا "کسی کام کا حکم جاری کر دینا"[2] بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں مثلاً:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ﴾[البقرة: 178]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾[البقرة: 183]

تو گویا 'کتاب' سے مراد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وہ آیات بیّنات ہیں جس میں تمام قسم کے علوم کو جمع کر دیا گیا ہے اور 'کتاب' سے مراد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وہ احکامات ہیں جو انسانوں پر بحیثیت 'عبد' اُنہوں نے لاگو فرمائے ہیں۔ اس معنیٰ میں قرآن کریم بھی 'کتاب' ہے اور حدیث مبارکہ بھی 'کتاب' ہے۔ اس سے ایک یہ اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :"حسبنا كتاب الله" "ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔"[3] تو 'کتاب' سے مراد قرآن کریم بھی ہے اور حدیث مبارکہ بھی۔ کیونکہ احادیث مبارکہ بھی اللہ رب العالمین کے مقرر کردہ احکامات ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾[يونس: 37]

" اور یہ قرآن وہ چیز نہیں ہے جو اللہ کی وحی و تعلیم کے بغیر تصنیف کر لیا جائے بلکہ یہ تو جو کچھ پہلے آ چکا تھا اس کی تصدیق اور الکتاب کی تفصیل ہے اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فرمانروائے کائنات کی طرف سے ہے۔"

---

(1) ابن منظور، لسان العرب (بیروت: دار صادر، بدون تاریخ)، 1: 710

(2) إسماعيل بن حماد الجوهري، الصحاح في اللغة (بيروت: دار العلم للملايين، بدون تاريخ)، 2 : 584

(3) صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل البخاري، كتاب المرضى، باب قول المريض قوموا عني، حديث 5669۔

یعنی قرآن کریم کتاب کی تفصیل ہے۔ اس معنیٰ میں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تشریح و تفصیل ہے۔ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ 'الکتاب' سے مراد صرف 'لکھی ہوئی چیز' نہیں ہے۔

تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم کو ان معانی میں 'الکتاب' قرار دیا گیا ہے:

1۔ اس میں تمام علوم آیات بیّنات کی شکل میں اکٹھے فرما دیئے گئے ہیں۔

2۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں پر عائد ہونے والے احکامات کی تفصیل ہے۔

3۔ ایک تیسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی کوئی بھی آیت نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ فوری طور پر صحابہ کرام سے اسے لکھوا لیتے۔ نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی کتابت کا اس قدر اہتمام فرماتے کہ اس فریضہ مقدّس کی خاطر آپ ﷺ نے تقریباً چالیس صحابہ کرام کی ایک جماعت تشکیل دے رکھی تھی۔ یہاں تک کہ ابتدائی دور میں آپ ﷺ نے حدیث لکھنے سے بھی منع کر دیا۔ تاکہ حدیث مبارکہ کی قرآن کریم کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔ بعد ازاں جب یہ معاملہ صحابہ کرام کے اندر پختگی اختیار کر گیا تو نبی کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ لکھنے کی اجازت دے دی۔ تو اس حوالے سے بھی قرآن پاک کو 'کتاب' کہا جاسکتا ہے۔

کتابت توقیفی یا قیاسی؟

قرآن کریم کی حفاظت کا ذمّہ خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات نے لیا ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾[الحجر: 09]

" رہا یہ ذکر، تو اِس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اِس کے نگہبان ہیں۔"

قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ذات نے لی ہے۔ قرآن پاک کی حفاظت کے ضمن میں ایک تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن پاک کے حفظ کا بندوبست فرمایا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ قرآن کریم کو یاد کریں، حفظ کریں۔ دوسرا اس کی حفاظت کا سب سے بڑا طریقہ تو یہی تھا کہ اس کو لکھ لیا جائے، اس کی کتابت کر لی جائے۔ یہ سمجھنا کہ قرآن پاک کی کتابت میں کوئی غلطی یا کمی رہ گئی اور وہ غلطی آج تک باقی ہے اور لکھی اور تلاوت کی جا رہی ہے تو یہ تو قرآن کریم پر ایک بہت بڑا اعتراض بن جاتا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات سے شکوک و شبہات کا ایک ایسا دروازہ کھلنے کا خدشہ ہے جس کے بند ہونے کی پھر کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی۔ اس کی مثال سمجھیے کہ ﴿لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾ اور اس سے آگے کی آیت: ﴿سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ اگر عام عربی زبان میں اسے لکھا جائے تو سَنَدْعُ کے بعد 'و' لگایا جائے گا لیکن قرآن پاک کے رسم میں ایسا نہیں۔ اس لیے جب کبھی بھی سَنَدْعُ پر وقف کیا جاتا ہے تو 'ع' پر کیا جاتا ہے لیکن اگر 'و' کا استعمال کیا جائے تو اسے پورا پڑھنا پڑے گا۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ خدانخواستہ یہ کتابت کی غلطی ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آج تک کوئی بھی آپ ﷺ کا امتی جب سَنَدْعُ پڑھتے وقت 'ع' پر وقف کرتا آیا ہے تو وہ غلط کرتا آیا ہے کیونکہ قرآن پاک کی تلاوت کا براہِ راست تعلق اس کی کتابت سے ہے۔ تو نعوذ باللہ ایسا تو نہیں سمجھا جاسکتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غلط کتابت کی وجہ سے آج تک امتی اس لفظ یا اس جیسے ہزاروں لفظ جو قرآن پاک

میں موجود ہیں، غلط تلاوت کرتے آرہے ہیں۔ قرآن کریم کی کتابت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمائی اور نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں فرمائی اور یہ سارا نظام اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نگرانی میں طے پایا۔

نبی کریم ﷺ کے اُمّی ہونے کا مفہوم:

عربوں کو 'اُمّی' کہا جاتا تھا کیونکہ وہ لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو نبوت سے سرفراز کیا گیا اس وقت بھی سولہ سترہ کے قریب ہی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ خود آپ ﷺ کی ذات 'اُمّی' تھے۔ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾[العنکبوت: 48]

" (اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ پڑھنا نہیں جانتے تھے اور دائیں ہاتھ سے لکھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ کائنات کے دیگر معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی رب تعالیٰ کی ایک حکمت پوشیدہ تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ اگر آپ ﷺ لکھنا پڑھنا جانتے ہوتے تو کفّار ان پر یہ اعتراض اٹھا سکتے تھے کہ آپ ﷺ نے یہ سب آیات بیّنات تورات وانجیل سے نقل کر لی ہیں۔ نعوذ باللہ۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جو کام آپ ﷺ کے سامنے انجام پا رہے ہوتے تھے، جن میں سے ایک کتابتِ قرآن مجید بھی ہے، آپ ﷺ ان سے بالکل لاعلم ہوتے تھے۔ ایسا ہر گز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے سے آپ ﷺ کے سامنے معاملات کی اصلاح فرما دی جاتی تھی۔ اس بات پر امّت کا اجماع ہے کہ اگر کوئی امر آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے سامنے سرانجام دیا جائے اور آپ ﷺ اس پر خاموشی اختیار فرمالیں تو اسے حجّت مانا جائے گا۔

پس اسی طرح یہ ماننا بھی ہمارے لیے لازم ہے کہ قرآنِ پاک کی کتابت کا مقدس فریضہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے سرانجام دیا اور اس پر نبی کریم ﷺ کی تقریر ہے اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بھی مقبول ومنظور ہے۔

گرامر اور قرآن مجید

قرآن کریم کبھی بھی گرائمر کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ گرائمر بنیادی طور پر لی کہاں سے گئی ہے۔ گرائمر بنیادی طور پر ادبِ جاہلی سے لی گئی ہے۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ نے فصیح عربی زبان میں نازل فرمایا اور قرآنِ پاک کی زبان کو معجزانہ قرار دیتے ہوئے عربوں کے سامنے یہ چیلنج بھی رکھا گیا کہ وہ اس قرآن جیسی ایک سورت بنا کر دکھا دیں۔ عربوں کو اس چیلنج کے سامنے شکست ہوئی اور انہوں نے اس کی فصیح زبان اور اُس کے اعجاز پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا۔

اگر گرامر اور ادب جاہلی میں بظاہر کوئی ٹکراؤ ہو تو ہم یوں نہیں کہہ سکتے کہ ادبِ جاہلی گرائمر کے خلاف ہے کیونکہ گرائمر تو لی ہی ادبِ جاہلی سے گئی ہے بالکل اسی طرح گرائمر کو وسعت اور فصاحت قرآن پاک سے ملی ہے تو ہم یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ پاک کی زبان گرائمر کے خلاف ہے۔

قرآنِ کریم فصیح عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ ابو جہل، ابو لہب جیسے بڑے بڑے قرآن کے مخالفین نے بھی کبھی قرآن کی عربیت پر اعتراض نہیں کیا بلکہ وہ قرآنِ پاک کے اعجاز کے سامنے شکست خوردہ ہی ہوئے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سورۃ علق میں لفظ لَنَسْفَعًا جو "ن خفیفه" ہے اس کو 'ا' سے لکھنا غلط ہے۔ لیکن یہ بات سرے سے غلط ہے۔ علماءِ نحو نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ "ن خفیفه" تنوین" کے برابر ہوتی ہے۔ جس طرح تنوین ' ' کو 'ا' کے ساتھ لکھا جاتا ہے اس طرح "ن خفیفه" کو بھی 'ا' کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'الکتاب' میں باقاعدہ اس کی تفصیل موجود ہے۔ مفسرین نے اس موضوع پر کافی طویل بحث و مباحثہ کیا ہے۔

لہٰذا جس طرح قرآن کریم کی تلاوت میں کوئی غلطی موجود نہیں اسی طرح رسم القرآن میں بھی کوئی غلطی موجود نہیں ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن پاک کا پڑھنا تو درست ہے لیکن اس کی کتابت میں غلطیاں موجود ہیں تو لکھنا تو پڑھنے کی بنیاد ہے۔

قرآن کریم میں ایسے سینکڑوں الفاظ موجود ہیں جن کا لکھنا پڑھنے سے مختلف ہے:

مثال کے طور پر قرآن پاک کا ایک لفظ ' وٗرِیَ ' ہے۔ جس کو لکھا ایک واؤ کے ساتھ جبکہ پڑھا دو واؤ کے ساتھ جاتا ہے۔

اسی طرح کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو زائد لکھے گئے ہیں لیکن ان کو پڑھا نہیں جاتا مثلاً لفظ ' أُولٰئِكَ ' ہے۔ أُولٰئِكَ میں واؤ لکھا تو جا رہا ہے لیکن واؤ کو پڑھا نہیں جاتا۔

اسی طرح قرآن پاک میں لفظ ' شَيْءٍ ' اکثر مقامات پر ش، ي اور ء کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ لیکن ایک مقام پر یہ لفظ ش، ا اور ي کے ساتھ بھی لکھا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْیْءٍ إِنِّی فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا﴾ (الکھف : 23)

تو یہ اس مقام پر 'ا' کے ساتھ لکھا جانا گرائمر کی غلطی نہیں ہے۔ اصل میں یہ ایک بہت بڑا علم ہے علماء نے اس پر بحث و مباحثہ کیا ہے۔ الفاظ کو مختلف طریقے سے لکھے جانے میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

یہ سب الفاظ اور ان کا لکھنا کسی خاص مقصد کے لیے ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ صحابہ کرام نے لکھنے میں غلطی کی ہے۔

اب قرآن کریم میں بعض مقامات پر دو الفاظ کو جوڑ کر لکھا گیا ہے اور بعض مقامات پر انہی دو الفاظ کو الگ الگ لکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر:

﴿ إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴾(الأنعام: 134)

اس کے برعکس:

﴿إِنَّمَا عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾(النحل: 95)

یہاں یہ إِنَّمَا کلمہ حصر سے نہیں ہے جو اکٹھا لکھا جاتا ہے۔ بلکہ إِنَّ حرف مشبہ بالفعل میں ہے اور مَا موصولہ ہے۔ تو اب اس مقام پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ إِنَّمَا کو اکٹھا کیوں لکھ دیا گیا الگ الگ لکھا جانا چاہیے تھا، کیونکہ اس کے پیچھے ایک حکمت پوشیدہ ہے وہ یہ کہ پہلی آیت میں ہم إِنَّ پر وقف کر سکتے ہیں جبکہ دوسری آیت میں اگر ہم إِنَّمَا کو الگ الگ لکھتے تو اس میں بھی ہمیں إِنَّ پر وقف معلوم ہوتا جبکہ یہاں وقف بالکل نہیں ہو سکتا۔ تو اسی مقصد کے لیے اس کو اکٹھا لکھا گیا تاکہ اس کی ادائیگی درست طور پر ہو سکے۔ تلاوت کی غلطی کا اندیشہ نہ رہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے کہ جس سے اس بات کی مکمل وضاحت ہو جائے گی کہ لکھنے کا تعلق پڑھنے سے ہی ہے:

سورۃ المعارج کی ایک آیت ہے:﴿ فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴾(المعارج: 36)

اب اس میں ' لِ ' جو ہے وہ ل جارہ ہے۔ اگر عام عربی زبان کا رسم الخط دیکھیں تو اس مقام پر ' لِ ' کو الَّذِينَ کے ساتھ ملا کر لکھنا چاہیے تھا فَمَا کے ساتھ نہیں۔ لیکن اگر ہم ' لِ ' کو الَّذِينَ کے ساتھ ملا کر لکھ دیتے تو ' لِ ' پر وقف ہر گز نہیں ہو سکتا تھا۔ جبکہ فَمَا کے ساتھ لکھنے کی صورت میں ہم فَمَالِ پر وقف کر سکتے ہیں، یعنی وقف اضطراری مثلاً اگر ہم بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دے رہے ہوں اور ہمیں وقفِ اضطراری کرنا پڑ جائے تو ہم فَمَالِ پر وقف کر سکتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ قرآن پاک کے الفاظ ایسے نہیں لکھے جانے چاہئیں تھے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لکھے یہ بالکل ایک لاعلمی کی بات ہے۔

قرآن کریم کا موجودہ رسم الخط

اس بات کی اجازت ہر گز نہیں دی جا سکتی کہ قرآنِ پاک کو رسمِ عثمانی کی جگہ آج کے دور میں رائج رسم الخط میں لکھا جائے۔ جیسے ہم قرآن پاک کو کسی دوسری زبان کے حروفِ تہجی مثلاً اُردو یا رومن اُردو میں نہیں لکھ سکتے، بالکل اسی طرح عربی کے موجودہ رسم الخط میں بھی نہیں لکھا جا سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے سے قرآنِ کریم میں بھی بالکل ویسے ہی تحریفات ہونے کا اندیشہ ہے جس طرح سابقہ آسمانی کتب میں تحریفات ہو گئیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس حوالے سے سوال کیا گیا کہ امام صاحب لوگوں کے لکھنے کا طریقہ قرآن پاک کی کتابت سے مختلف ہے تو کیا ہم قرآن پاک کی کتابت آج کے رسم الخط کے مطابق کر سکتے ہیں؟ تو امام صاحب نے بھی یہی جواب دیا کہ نہیں! ہر گز نہیں بلکہ قرآن پاک اسی طریق پر لکھا جائے گا جس طریق پر کتابت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں فرمائی۔[1]

---

[1] ابن رشد، **البيان والتحصيل**، (بيروت: دار الغرب الإسلامي، 1988)، 18: 354

علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ جو رسم کے بہت بڑے امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوری امت میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور سوال کیا گیا کہ قرآنِ کریم میں واؤ اور الف بعض مقامات پر زائد لکھے گئے ہیں، جیسا کہ ' أُولٰئِكَ '۔ تو کیا ان واؤ اور الف کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں! ان الف اور واؤ کو ختم نہیں کیا جا سکتا اور جہاں وہ نہیں لکھے گئے وہاں انہیں لکھا بھی نہیں جا سکتا۔

اسی طرح کا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: مصحفِ عثمانی کے رسم الخط کی مخالفت کرنا حرام ہے، خواہ یہ مخالفت یاء، واؤ، الف یا کسی دوسرے حرف کے معاملے میں ہو۔

رسم عثمانی کا التزام

رسمِ عثمانی کے مجمع علیہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ نے اس رسم پر صحیح کو اور درست قرار دیا۔

مصر کے شیخ القراء محمد بن علی حداد لکھتے ہیں :

"أجمع المسلمون قاطبة على وجوب اتباع رسم مصاحف عثمان ومنع مخالفته(ثم قال) قال العلامة ابن عاشر ووجه وجوبه ما تقدم من اجماع الصحابة عليه وهم زهاء اثنى عشر الفاً " [1]

" تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عثمانی مصاحف کے رسم الخط کی پیروی واجب ہے اور اس کی مخالفت ممنوع ہے۔ (پھر فرمایا) علامہ ابن عاشر نے کہا کہ اس کے وجوب کی وجہ وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی، یعنی صحابہ کرام کا اس پر اجماع، اور وہ بارہ ہزار کے قریب تھے۔"

علامہ المارغنی رحمۃ اللہ علیہ اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وقد أجمعوا عليه وهم رضي اللّٰه عنهم اثنا عشر ألفًا فيجيب عليهم اتباعهم وتحرم علينا مخالفتهم في ذلك "[2]

" اور اُن (صحابہ کرام) نے اس پر اجماع کیا جبکہ وہ (رضی اللہ عنہم) بارہ ہزار تھے، لہٰذا ان کی پیروی ہم پر واجب ہے اور اس میں ان کی مخالفت ہم پر حرام ہے۔"

علامہ ابو طاہر السندی رحمۃ اللہ علیہ رسمِ عثمانی پر لوگوں کے تعامل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُمت نے اسی رسم کی تقلید کی ہے اور اس کتابت کی شہرت رسمِ عثمانی کے ساتھ ہوئی۔ صحابہ کرام کا اس رسم پر اجماع ہوا اور ان میں سے کسی نے اس کا انکار

---

(1) النصوص الجليلة:ص25

(2) المارغني، أبو إسحاق إبراهيم، دليل الحيران على مورد الظمآن، (القاهرة: دارالحديث، س-ن):ص25

نہیں کیا اور صحابہ کرام کا اِجماع واجب الاتباع ہے۔ پھر یہی طریقہ رائج رہا اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اَدوار میں اسی پر عمل رہا اور کسی نے اس معاملہ میں اختلاف کا خیال نہیں کیا۔ اس پر علماء اُمت کے بہت سے اقوال موجود ہیں۔[1]

اسلام کے سنواتِ اُولیٰ میں لوگوں کیلئے کتابتِ مصحف کا معیار رسم عثمانی تھا اور اکثر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے ہمیشہ رسم عثمانی کی موافقت کو ہی معیار سمجھا۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

"ولولا اعتياد الناس لذلک فی هذه الأحرف الثلاثة(الصلوٰة، الزكوٰة والحيوٰة)وما فی مخالفة جماعتهم لكان أحب الأشياء إلى أن يكتب هذا كله بالألف"[2]

" اگر لوگوں کا ان تین الفاظ (الصلوٰۃ، الزکوٰۃ، اور الحیوٰۃ) کے رسم الخط پر عادی ہونا اور جماعت صحابہ کی مخالفت کا خطرہ نہ ہوتا، تو میرے نزدیک سب سے پسندیدہ بات یہی ہوتی کہ یہ سب الفاظ الف کے ساتھ لکھے جائیں۔"

مذاہبِ اربعہ اور رسمِ عثمانی

مذاہبِ اربعہ کے تمام فقہاء نے مصحف کی کتابت اور طباعت میں رسم عثمانی کے التزام کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ اِس پر علماء کا اِجماع منقول ہے کہ رسم عثمانی کی مخالفت جائز نہیں : "ولا مخالف له فی ذلک من علماءِ الأئمة"[3]۔ علامہ الحداد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ہمیشہ علماء کا رسم عثمانی پر اجماع رہا ہے اور انہوں نے اِس کی مخالفت کو اجماع سے روگردانی تصور کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

علامہ زرکشی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"تحرم مخالفة مصحف الإمام فی واوٍ أو يائٍ أو ألفٍ أو غير ذلک"[4]

" مصحف امام (عثمانی مصحف) کی مخالفت کسی واو، یا، الف یا کسی اور چیز میں کرنا حرام ہے۔"

ڈاکٹر عبد الوہاب حمودہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے اَقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"یعنی ہم جانتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ 94ھ میں پیدا ہوئے اور 179ھ میں وفات ہوئی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ 164ھ میں پیدا جبکہ 241ھ میں فوت ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اور دوسری صدی ھ میں ہی لوگوں نے قواعدِ کتابت میں رسم عثمانی کی مخالفت شروع کر کے عام قواعدِ کتابت پر مصاحف کی کتابت کی طرف رغبت کی۔ جب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے

---

(1) أبو طاهر عبد القيوم، صفحات في علوم القراءات، (ملتان: المكتبة الأمدادية، 1415ھ):ص178

(2) محمد الدالي، أدب الكاتب، (بيروت: مؤسسة الرسالة، س - ن):ص253

(3) الإتقان في علوم القرآن، 4 : 146

(4) الزركشي، بدر الدين محمد بن عبد الله، (بيروت: دار إحياء الكتب العربية، 1957ء)، 1 : 379

بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے عام قواعدِ کتابت کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ اب ہمارے اوپر ان کی اتباع اور ان کے قول کی پیروی لازم ہے۔"[1]

مسلکِ شافعیہ

لفظ "الربوٰا" کو واو اور الف کے ساتھ لکھا جائے گا، جیسا کہ رسم عثمانی میں آیا ہے، اور قرآن میں اسے یا یا الف کے ساتھ نہیں لکھا جائے گا کیونکہ اس کا رسم الخط ایک مقرر شدہ سنت ہے جس کی پیروی ضروری ہے۔[2]

مسلکِ حنفیہ

"وجاء فى المحيط البرهانى فى فقه الحنفية مانصه: إنه ينبغى ألا يكتب المصحف بغير الرسم العثمانى"[3]

" المحیط البرہانی میں فقہ حنفیہ کے حوالے سے یہ نص وارد ہے: یہ ضروری ہے کہ مصحف کو رسم عثمانی کے علاوہ کسی اور طریقے سے نہ لکھا جائے۔"

مذکورہ اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسالک اربعہ کے تمام فقہاء رسمِ عثمانی کے التزام کو متفقہ طور پہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

پاکستان میں رسمِ عثمانی کے مطابق طباعت

آج اگر کوئی ادارہ قرآن پاک شائع کرتا ہے تو اسے رسمِ عُثمانی کے مطابق ہی شائع کرنا چاہیے۔ وگرنہ اس سے قرآن پاک میں بہت سی تبدیلیوں کے خدشات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان باتوں پر عُلماء کا اجماع ہے۔ نہ صرف یہ کہ قرآن پاک کو رسمِ عُثمانی کے مطابق لکھنا چاہیے اور دوسری زبانوں کے حروف تہجی میں نہیں لکھنا چاہیے بلکہ عُلماء نے تو اِس معاملے میں بھی احتیاط برتی ہے کہ صرف ترجمہ چھاپ دیا جائے یا ایسے قرآن مجید چھاپے جائیں جن میں ایک صفحے پر آیات اور دوسرے صفحے پر ان کا ترجمہ موجود ہو، عُلماء نے اس چیز سے بھی احتیاط برتنے کا کہا ہے۔ اس حد تک گنجائش ہے کہ اوپر آیت لکھی ہو اور نیچے اس کا ترجمہ لکھا ہو وگرنہ صرف ترجمے والے قرآن پاک چھاپنا بالکل درست نہیں۔

اس حوالہ سے اگر پاکستان کی بات کی جائے تو پچھلے کچھ سالوں میں قرآن کریم کو اہتمام کے ساتھ چھاپنے کی طرف توجہ ہوئی اور پنجاب قرآن بورڈ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اب کوئی بھی ناشر اپنی مرضی سے قرآن پاک نہیں چھاپ سکتا۔ ان پر کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ اس سے قبل جو قرآن پاک چھاپے گئے ان میں کچھ اس قسم کی غلطیاں موجود تھیں۔ مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کی آیت ﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ پر آیت ڈال دی گئی حالانکہ یہ ایک مکمل آیت نہیں ہے۔ اسی

---

(1) القراءات واللهجات، ص102

(2) مناهل العرفان في علوم القرآن، 1 : 372

(3) أيضاً

طرح سے سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ کو لکھا جاتا تھا حالانکہ سورۃ فاتحہ کی پہلی آیت ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴾ کو لکھا جانا چاہیے۔ پاکستان میں کچھ مکتبے ان باتوں کا اہتمام کر رہے ہیں خوش آئند ہے۔

رسم عثمانی یا رسم نبوی ﷺ؟

اس پوری بحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے کاتبین کو لکھنے کی باقاعدہ ہدایات کے علاوہ ان کی کتابت بھی درست کراتے تھے یعنی کتابت عثمانی دراصل کتابت نبوی ﷺ ہی ہے۔ لیکن اس بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ اگرچہ رسم عثمانی کی مخالفت جائز نہیں ہے لیکن اُس رسم کو رسم نبوی ﷺ کہنا درست نہیں ہے۔ اور اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

- قرآن مجید کا رسم اس کمیٹی کا طے کردہ ہے جنھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحف تیار کرنے کے لیے مقرر کیا تھا، اسی لیے اس کو رسم عثمانی کہا جاتا ہے۔
- مصاحف میں جو کلمات مختلف انداز سے لکھے ہوئے ہیں وہ دراصل سبعہ احرف کا تنوع ہے جسے سمونے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانچ مصاحف تیار کروا کے مرکزی شہروں میں قراء سمیت بھیجے۔ یعنی یہ رسم توقیفی نہیں تھا۔
- خط کو کسی نے بدلا نہیں ہے اس کی وجہ یہ سمجھنا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا لکھا ہوا رسم الخط تھا۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو بالاتفاق صحابہ نے شروع کیں لیکن آج تک انھیں تبدیل نہیں کیا گیا۔ جیسے جمعہ کی دو اذانیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کیں۔ لہٰذا تبدیلی نہ کرنے کی بنیاد پہ یہ کہنا درست نہیں کہ یہ رسم الخط نبی کریم ﷺ کا مقرر کردہ ہے۔ {وَمَا كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ . بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ} [العنکبوت:48،49]

" (اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے، دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے۔"

تاریخ میں پہلی دفعہ ابولولید باجی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ قرآن اترنے سے پہلے نہیں لکھ سکتے تھے لیکن بعد میں آپ پڑھنے اور لکھنے لگے تھے۔ اس کی تردید کے لیے یہی کافی ہے کہ بعثت کے انیس سال بعد صلح حدیبیہ کے موقع پر کاتب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے معاہدے میں محمد "رسول اللہ" لکھ دیا، تو قریش کے سفیر سہیل بن عمرو نے کہا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان لیں تو ہمارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے، ہم اسے نہیں مانتے اس لیے اِن الفاظ کو کاٹیے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کو کاٹ دو، انہوں نے عرض کیا کہ میں یہ جسارت نہیں کر سکتا۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹنے سے انکار کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے علی ! مجھے دکھاؤ کہ "رسول اللہ" کے الفاظ کہاں لکھے ہیں؟ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو دکھایا تو آپ نے ان الفاظ کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سنہ 6 ہجری صلح حدیبیہ تک عبارت دیکھ کر یہ بھی نہیں جان سکتے تھے کہ "رسول اللہ" کہاں لکھا ہوا ہے۔ جب نبی اکرم ﷺ کا پڑھنا لکھنا ثابت نہیں ہے، تو اس کا ثبوت کیسے ممکن ہے کہ آپ ﷺ باقاعدہ الفاظ کی کتابت صحیح کرواتے تھے کہ یہاں لمبا کیا جائے، یہاں شوشا ہو، یہاں گول تا اور یہاں لمبی تا ہو وغیرہ وغیرہ۔

- صحابہ کرام میں سے کاتبین وحی تقریباً چھیالیس ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں لکھنے والے ایک آدمی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں زیادہ سے زیادہ گیارہ لوگ ثابت ہوتے ہیں۔ اگر چھیالیس کاتبین وحی کی کتابت تقریر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو کیسے پتہ چلا کہ اس میں تقریری کیا ہے؟
- موجودہ رسم الخط رسم عثمانی ہے جو کاتبین صحابہ کے فہم اور مہارت پر منحصر تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے کاتبین وحی مختلف قبائل سے تھے تو کتابت کا اسٹائل بھی مختلف تھا۔ رسم عثمانی پر صحابہ کے درمیان کوئی گفتگو یا اختلاف نہیں ہوا جو بتارہا ہے کہ اس معاملہ میں خاصی وسعت تھی۔
- صحابہ کرام بڑے عالم تھے انھوں نے رسم الخط میں بہت سی حکمتوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ صحابہ کرام کی تلاوت اپنی مرضی سے نہ تھی البتہ رسم عثمانی کاتبین صحابہ کا اتفاقی عمل تھا۔
- کتابت (رسم) صحابہ کا عمل تھا البتہ صحابہ لکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو مکمل طور پر ابتداء، وقف، وصل وغیرہ کے ساتھ کتابت میں سمونے کی کوشش کرتے تھے۔
- قراءت میں اصل تلفظ ہے رسم نہیں ہے اور رسم کو ممکنہ حد تک تلفظ کے محفوظ کرنے کا متبادل ذریعہ بنایا گیا ہے یعنی وقف وصل ابتداء وغیرہ کی ساری گفتگو تو قراءۃ اور تلفظ کی ہے لہذا اصل تلفظ اور قراءۃ ہے، اصل رسم الخط نہیں ہے۔

اس موقف کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے کہ

کتابتِ مصحف رسم نبوی نہیں ہے بلکہ اہل قرآن صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تیار کردہ ہے البتہ اس میں اس بات کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے کہ نبی گرامی قدر صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے وقف، وصل اور ابتداء کو حتی المقدور اس کتابت میں سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس موقف کا رد

حضرت عُثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی کتابت کسی بھی نئے انداز سے نہیں کروائی بالکل ویسے ہی کتابت کروائی جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں کی گئی۔ اس بات کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت عُثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوائے ان میں سے کچھ چیزیں زمانہ گزرنے کی وجہ سے مٹ گئیں۔ اب جو کمیٹی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں بنائی۔ ان میں صرف ایک کلمہ میں اختلاف ہوا اور کسی کلمے میں اختلاف نہیں ہوا اور وہ کلمہ ' التَّابُوتُ ' تھا۔ یہ اختلاف تھا کہ ' التَّابُوتُ ' کو گول ۃ کے ساتھ لکھا جائے یا لمبی ت کے ساتھ لکھا جائے۔ حالانکہ قرآن پاک میں ایسے الفاظ کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ جن میں ت وغیرہ کا اختلاف ہو سکتا ہے مثال کے طور پر لفظِ ' رَحْمَتَ ' ' وَمَعْصِيَتِ ' کو لغتِ قیاسی میں دیکھا جائے تو گول ۃ کے ساتھ لکھنا چاہیے لیکن قرآن پاک میں بعض مقامات پر لمبی ت کے ساتھ لکھا ہوا ہے اور جس طرح لفظِ ' امْرَأَتُ ' کو گول ۃ کے ساتھ لکھا جاتا ہے لیکن قرآن پاک میں لمبی ت کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ لیکن ان الفاظ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی بھی اختلاف نہیں ہوا صرف ایک لفظ 'التَّابُوتُ ' کے بارے میں اختلاف ہوا تو اس بارے میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے یہ رہنمائی فرمائی کہ اگر اس قسم کا کوئی مسئلہ درپیش ہو رہا ہے اور

کوئی کلمہ مٹا ہوا ہے تو اس کو لغتِ قریش میں لکھ دیا جائے۔ اور یہ اختلاف صرف ایک کلمہ پر تھا باقی کسی کلمہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

بسا اوقات یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ رسمِ عُثمانی، حضرت عُثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں یا اپنی کمیٹیوں کے ذریعے کروائی۔ یہ تاثر درست نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسمِ عثمانی رسمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ جس طریق پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی کتابت کروائی اسی طریق پر حضرت عُثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں کروائی۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے پھر رسمِ عُثمانی کیوں کہا جاتا ہے، رسمِ نبوی کیوں نہیں کہا جاتا؟ تو اس کی سادہ سی حقیقت یہی ہے کہ حضرت عُثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بڑے اہتمام سے قرآن پاک کی جمع و تدوین کا کام کروایا اور انہوں نے وہی قرآن کے صحائف منگوائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں کھجوروں کی چھالوں پر، جانوروں کے شانوں کی ہڈیوں وغیرہ پر لکھوائے تھے۔ وہی مصحف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے بعد ازاں وہی مصحف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہی مصحف منگوائے اور پھر ان کی تدوین کروائی۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جامع القرآن کے نام سے پکارتے ہیں تو اس کا مطلب ہر گز یہ تو نہیں بنتا نا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے قرآن پاک میں کوئی آیات یا سورتیں لکھوا دی ہوں۔ نعوذ باللہ۔ ایسا ہر گز نہیں جس طرح انہیں جامع القرآن ان کے جمع و تدوین قرآن کے مقدس فریضے کو سرانجام دینے کی وجہ سے پکارا جاتا ہے اسی طرح رسمِ عُثمانی کی نسبت بھی ان کی طرف اس لیے کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں بڑے اہتمام سے قرآن پاک کی کتابت کروائی ورنہ اصل میں یہ رسمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

رسمِ عُثمانی کی تعریف عُلماء نے بھی یہی فرمائی ہے کہ رسمِ عُثمانی، لکھنے کا وہی طریقہ ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کتابت کروائی اور یہ وہی رسم ہے جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مصحف تیار کیا اور یہ وہی رسم ہے جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مصحف تیار کیے گئے۔

تو اس رسم کی نسبت حضرت عُثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف ان کے اہتمام کی وجہ سے ہے۔ وگرنہ یہ رسمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

نتائج بحث

رسم عثمانی توقیفی ہے اور لوگوں کے قیاس پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی اور الہامی ہدایت کے تحت طے پایا۔

قرآن کے کئی الفاظ عربی زبان کے عام قیاسی اصولوں کے خلاف ہیں، جو توقیفی رسم کا ثبوت ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محنت کے باعث کتابتِ قرآن میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔

امت مسلمہ نے قرآن کو ہمیشہ توقیفی رسم الخط کے مطابق لکھا اور اس طریقے کو صدیوں سے جاری رکھا۔

رسم عثمانی کا توقیفی ہونا قرآن کے معجزانہ تحفظ اور الہامی حیثیت کی واضح دلیل ہے۔

رسم عثمانی میں انفرادیت اور غیر معمولی اصول قرآن کی تقدیس اور الہامی تشخص کو ظاہر کرتے ہیں۔

علماء کا اجماع ہے کہ رسم عثمانی توقیفی ہے اور اس میں انسانی اجتہاد یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں۔